

تنزیل و تاویل

برزخ

اشاعت گذشتہ میں ”عالم برزخ“ کے عنوان سے جناب مولانا اسلم جبرائیل پوری کا طویل مضمون بیچ کیا جا چکا ہے۔ ان کی کتاب ”تعلیمات قرآن“ پر تبصرہ کرتے ہوئے برزخ کے متعلق ان کی تاویلات پر میں نے قصداً کوئی اظہار رائے نہ کیا تھا، کیونکہ رسالہ معارف میں اس متصل مضامین شائع ہو چکے تھے اور مجھے امید تھی کہ ان کو دیکھ کر مولانا نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہو گا۔ لیکن اب ان کے تازہ مضمون سے معلوم ہوا کہ انھیں ابھی تک اس رائے پر اصرار ہے۔ فرید بان ان کو اس بات پر تعجب بھی ہے کہ میں (مدیر ترجمان القرآن) قرآن کی بیعت و نصرت و اشاعت کا مدعی ہونے کے باوجود ان حضرات کا ہم خیال ہوں جنہوں نے ”معارف“ میں ان کے خیالات کی تردید کی ہے۔ حالانکہ ان سے زیادہ مجھے اس بات پر تعجب ہے کہ جن خیالات کی تردید اتنے قوی دلائل سے کی جا چکی ہے، ان پر مولانا کو کبھی تمک اصرار ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میں کوئی ایسی بات نہ کہہ سکوں گا جو حیات برزخیہ اور عذاب و ثواب برزخ کے حق میں نہ کہی جا چکی ہو۔ تاہم میں کوشش کروں گا کہ ہر قسم کی تلخ گفتاری سے پرہیز کر کے زیادہ سے زیادہ دشمن انداز بیان کے ساتھ ان آیات قرآنی کی صحیح تاویل پیش کروں جن کے سمجھنے میں مولانا نے پے در پے غلطیاں کی ہیں۔ اس لیے کہ سابق مضامین میں اگر کوئی قصور تھا تو وہ غلطی یہی کہ ان کے لہجہ میں تلخی تھی جس سے مخاطب کی طبیعت شعل ہو کر مشاہدہ حق سے پھر جاتی ہے۔

برزخ کا مفہوم | سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ لغت کے اعتبار سے برزخ کا مفہوم کیا ہے۔ دو چیزوں کے درمیان جو چیز واقع ہو، اور ان کو باہم ملنے سے روک دے یا ان کو الگ الگ کر دے وہ عربی زبان میں

”برزخ“ کہلاتی ہے، خواہ وہ پردہ یا اوٹ ہو یا زمانہ یا کوئی اور شے۔ **بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ**۔ اور **جَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا** میں برزخ سے مراد وہ روک ہے جو دو سمندروں کو ملنے سے باز رکھتی ہے۔ ایک حدیث میں ذکر آیا ہے کہ **اِنَّهُ صَلَّى بِقَوْمٍ فَاَسْوَىٰ بَرْزَخًا** یعنی آپ نے ایک جماعت کو نماز پڑھائی اور قرآن پڑھتے پڑھتے ایک مقام سے سلسلہ منقطع فرما کر دوسرے مقام تک تلاوت شروع کر دی۔ یہاں اس حصہ کو جو چھوڑ دیا گیا تھا ”برزخ“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں وساوس کو برازخ الاِیمان کہا گیا ہے یعنی شک اور یقین کی درمیانی حالت۔ مفسرین و ائمہ اہل سنت نے برزخ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ البرزخ الحاضر والمہلة متقاربات المعنی (البرزخ ما بین کل شیئین من عاجز (نہایہ ابن اثیر) البرزخ الحاضر والمہلة المتقاربات المعنی (ابن المثنیٰ) (مراغب)۔

اصطلاحی معنی | اسی لفظ کو قرآن مجید نے اصطلاحاً اس مدت یا اس حالت کے لیے استعمال کیا ہے جو انسان کی موت سے لیکر قیامت کے دن تک جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے وہ خود اس اصطلاحی معنی کو واضح کرتی ہے۔ **حَتَّىٰ اِذَا جَاءَ لَحْدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ** یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو **رَبِّ اَرْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا** کہتا ہے کہ پروردگار مجھے واپس کر دیجئے! امید ہے کہ **فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ مُّوَقَّاتٌ لِّمَا** اس زندگی میں جس کو چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کرونگا۔ **وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ** ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے ایک برزخ ہے اس دن تک جب کہ وہ اٹھائے جائیں گے (۶:۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے وقت سے روز قیامت تک جو کچھ ہے اس کا نام برزخ ہے آپ چاہیں تو اسے روک یا آڑ کہہ سکتے ہیں، لیکن اگر یہ آڑ ہے بھی تو میت اور دنیا کے درمیان ہے یا میت اور قیامت کے درمیان ہے۔ خدا اور بندے کے درمیان ہرگز نہیں ہے قرآن مجید میں کوئی اشارہ ایسا

نہیں ملتا جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ برزخ میں مردے اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں۔ مختصر ایک بے بنیاد قیاس ہے۔

برزخ کی کیفیت اب سوال یہ ہے کہ برزخ کی کیفیت کیا ہے۔ آیا اس میں انسان کے لیے کوئی زندگی ہے یا نہیں؟ وہاں صالحین کے لیے کوئی راحت اور فائقین کے لیے اذیت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ برزخ میں نفس انسانی کس حال میں رہتا ہے؟

مولانا اہلم جیراج پوری کا دعویٰ یہ ہے کہ :-

۱۔ مرنے والے برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جاتے ہیں اور صرف قیامت کے روزان کی مٹی ہوگی۔

۲۔ برزخ مطلقاً عالم مات ہے جس میں حیات علم احساس شعور کچھ نہیں ہوتا، اور اس لیے عذاب و ثواب راحت و اذیت بھی وہاں نہیں ہے۔

۳۔ برزخ میں رہنے سے مراد اللہ کے نوشتے میں رہنا ہے یعنی انسان اس دنیا میں آخری سانس لےنے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے، اور صرف اس کا اندراج اللہ کے دفتر میں رہتا ہے۔ پھر جب قیامت ہوگی تو ان سب کو دوبارہ زندہ کیا جائیگا جو اس دفتر میں مندرج ہیں پس موت سے بلکہ قیامت تک نفس یا روح کی حالت ایک معدومیت اور فنایت کی حالت ہے، اور اس کے لیے اگر موجدیت ہے تو وہ صرف کتاب اللہ میں ہے۔ صرف وہ لوگ جو فی سبیل اللہ جہاد کر کے مارے جاتے ہیں، اس سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ مرنے کے بعد

زندہ رہتے ہیں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں نہیں رکھے جاتے، بلکہ اسی وقت حاضر کر دیے جاتے ہیں اور ان کو روزی ملنے لگتی ہے۔

ہم کو دیکھنا ہے کہ یہ دعویٰ قرآن سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اور قرآن مجید کی رو سے کوڑ

بالا سوالات کا صحیح حل کیا ہے؟

موت اور حیات کا مفہوم | اس بحث میں پہلا عل طلب سوال یہ ہے کہ زندگی اور موت سے کیا مراد ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے کہ:-

كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمَيِّتُكُمْ ثُمَّ
يُخَيِّبُكُمْ (۲: ۳۰)۔
تم مردہ تھے پھر تم کو زندہ کیا، پھر وہ تم کو مارتا ہے پھر وہ
تم کو جلائے گا۔

اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۔ پہلی موت سے مراد وہ حالت ہے جو قالب خاکی میں نفع روح سے پہلے تھی جیسا کہ آیت وَبَدَأْ
خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ... ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۱: ۳۲) سے معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ پہلی زندگی سے مراد وہ حالت ہے جو جسم میں روح کے پھونکنے جانے کے بعد ہوتی ہے اور جس
میں انسان اپنے جسمانی کانوں سے سنتا جسمانی آنکھوں سے دیکھتا اور جسمانی دل و دماغ سے سوچتا ہے اس کی
طرف بھی آیت مذکورہ بالا اشارہ کرتی ہے۔

۳۔ دوسری موت سے مراد وہ حالت ہے جو جسد خاکی سے نفس یا روح کے سلب کر لیے جانے کے بعد
ہوتی ہے۔ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْآفْسُسَ حِينَ مَوْتِهَا (۵: ۳۹) اور وَكَوْنَتِ رِيْضًا زَيْنًا لِّمَنْ فِيْهِ
نَعْمَاتٍ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوْا اَيْدِيَهُمْ خِرَاجًا اَنْفُسَكُمْ (۱۱: ۶) اس کی دلیل
۴۔ دوسری زندگی سے مراد وہ حالت ہے جس میں قیامت کے روز وہی جان جو موت کے وقت

جسم سے نکالی گئی تھی دوبارہ جسم میں بھونکی جائیگی۔ اس پر وَارِنُوْا النَّفْسَ زُجْجَتْ (۸۸: ۱) اور لَمَّا
بَدَّلْنَاكُمْ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُكُمْ (۷: ۲۱) اور ایسی ہی بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں۔

جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی | اس معلوم ہوا کہ قرآن مجید نے عموماً موت سے جسم و روح کا انفصال
اور زندگی سے جسم و روح کا اتصال مراد دیا ہے لیکن اس معنی میں جس حالت کو وہ موت کہتا ہے اس

مراد عدم نہیں ہے، بلکہ وہ بھی ایک طور کی زندگی ہے جس میں روح بولتی اور سنتی اور شعور و ادراک رکھتی ہے چنانچہ خود قرآن مجید سے اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ دیکھیے پہلی موت کے دور کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ
ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا

اور جب کہ تیرے رب نے بنی آدم سے ان کی پیٹھوں میں سے
انکی ذریعت کو نکالا اور خود ان کے اوپر ان کو گواہ بنایا کہ کیا
میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انھوں نے کہا ہاں، ہم گواہ ہوئے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب روحیں جسموں میں پھونکی نہ گئی تھیں، اور جب کہ ان پر موت طاری
تھی اس وقت بھی وہ اس معنی میں مردہ نہ تھیں کہ ان میں سماعت اور گویائی اور علم و شعور نہ تھا جو حق تعالیٰ نے
ان سے جو سوال کیا اس کو انھوں نے سنا، اس کا جواب دیا، اور جواب علم کی بنا پر دیا۔ پس وہ موت محض
اجساد سے جدائی کا اعتبار کرتے ہوئے تھی۔ ورنہ حقیقت میں وہ بھی زندگی ہی تھی، کیونکہ علم اور سمع اور گویائی
کی صفات زندگی ہی میں پائی جاتی ہیں۔

پھر دوسری موت کی حالت میں بھی ارواح کا ان اوصاف سے متصف ہونا، قرآن مجید کی
معدد آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ فرمایا:-

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا
فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا
وَمِنْ وَرَاءِ يَهُرُّمُ بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمٍ يُبْعَثُونَ

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وہ
کہتا ہے کہ پروردگار! مجھ کو واپس کر دیجئے۔ امید کہ میں
اس زندگی میں جس کو میں چھوڑ آیا ہوں نیک عمل کروں گا
ہرگز نہیں یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہتا ہے اور ان کے آگے بڑھنے

اٹھائے جانے کے دن تک۔ (۶:۲۳)

اس آیت میں ارْجِعُونِ اور فِيمَا تَرَكْتُ اور مِنْ وَرَاءِ يَهُرُّمُ بَرْزَخٌ کے الفاظ سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر اس حالت کا ہے جب دنیا چھوٹ چکی ہے، بردخ اس کے اور دنیا کے دریا

حائل ہو چکی ہے، اور دنیا میں رہنے کا نہیں بلکہ دنیا میں واپس جانے کا منہ دہا گیا ہے۔ اس حالت میں انسان اپنے رب سے کلام کرتا ہے اور دنیا میں واپسی کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں خوف و حلاوت کے جذبات ہوں گے اپنی دنیوی زندگی کے کارنامے اس کو یاد ہوں گے، ان پر مذمت اور مستقبل کے خطرات کا احساس ہوگا، اپنے پروردگار کو وہ جانتا ہوگا، اور اس میں گویائی کی قوت بھی ہوگی جیسی تو وہ ایسی بات کہے گا۔ کیا یہ مطلق عالم مہمات ہو سکتا ہے جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ ہمیں حیات کا کوئی شائبہ نہیں؟

دوسری آیات بھی اس کی تائید کرتی ہیں :-

وَالْفِقْوَامِثَارُ نَرْقُنَا لَمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ (۶۳: ۲)

اور خرچ کرو اس رزق میں سے جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آئے پھر وہ کہے کہ پروردگار کاش تو مجھے تھوڑی مہلت اور دیتا کہ میں خیرات کرتا اور صالحین میں سے ہوتا۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ طَالِمِثِي لَفِيهِمْ قَالُوا إِنْ هُمْ كُنْتُمْ قَالُوا الْمَنَّا مُتَّضَعِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا الْمَنَّا كُنَّا أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُجَاوِزُوهَا (۴: ۱۲)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ نے اس حال میں قبض کیں کہ وہ انکار کی سرزمین میں رہ کر اپنے اوپر آپ ظلم کر رہے تھے ان سے ملائکہ نے کہا کہ تم یہ کس حال میں پڑے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ہم زمین میں بے بس تھے فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَقَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَمَا حُكِّنْتُمْ أَتَدْعُونَنَا مِن دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَيْنَا فَنُحِمْهُمْ

یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستائے ان کی روح قبض کرنے کو پہنچ گئے تو کہا کہ کہاں ہیں وہ تمہارے معبود جن کو تم خدا کے سوا پکارتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارا

اَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ قَالَ اَدْخُلُوا فِيْ اَمْرٍ
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنْ اِثْمٍ وَلَا تَسِرُّوْا
 النَّاِیْرَ (۴: ۷)

ساتھ چھوڑ گئے، اور انہوں نے اپنے اوپر گواہی دی کہ وہ
 کافر تھے۔ خدا نے کہا کہ تم ہی ان قوموں کے ساتھ
 آگ میں داخل ہو جاؤ جو ازم جن انس تم سے پہلے گزر چکی ہیں
 جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ
 پاک تھے تو ان سے کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی ہو حجت میں داخل
 اپنے ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے تھے۔

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفَّیْھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظٰلِمِی الْاَنۡفُسِھِمْ
 فَانۡقُورُوا السَّلٰمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوۡءٍ عَلٰی
 اَنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فَاَدْخُلُوْا
 اَبۡوَابَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیْہَا (۴: ۱۶)

جن لوگوں کی جانیں ملائکہ اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ
 وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرنے والے تھے تو وہ ان سے دو قیامت
 ڈالیں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کوئی برا عمل نہ کرتے تھے۔
 کہا جائیگا کہ ہاں خدا جانتا ہے جو مجھ تم کرتے تھے پس تم جہنم
 دروازوں میں داخل ہو جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔

وَلَوْ تَرٰی اِذِ یَتَوَفّٰی الَّذِیۡنَ کَفَرُوْا الْمَلٰٓئِکَةُ
 یَضْرِبُوْنَ وُجُوۡھَھُمۡ وَاَذۡبَارَھُمۡ وَ
 ذُقُوْا عَذَابَ الْحَرِیۡقِ (۷: ۸)

اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جانیں قبض
 کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے، وہ ان کو آگے اور پیچھے سے
 مارتے جاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ خدا بے رحم کے نرے حکم

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عرف عام میں جس انفصال فی حق ویم
 لفظ موت کا اطلاق ہوتا ہے وہ ایسی موت نہیں ہے جس میں مطلق کسی قسم کا احساس و شعور اور شائبہ حیات موجود
 نہ ہو۔ برعکس اس کے اس حالت میں بھی روح میں زندگی کے وہ تمام آثار موجود ہوتے ہیں جو جسمانی زندگی
 میں ہوا کرتے ہیں البتہ ان کا طور و انداز بدلا ہوا ہوتا ہے، اور جسمانی زندگی سے وہ حالت مختلف ہوتی ہے
 عرفی موت پر زندگی کا اطلاق چونکہ انسان کے نزدیک زندگی سے مراد جسمانی زندگی ہے، اور موت کے مراد

جسمانی موت ہے، اور اسی مفہوم کے لئے انسانی زبان میں موت اور حیات کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اس وجہ سے حق تعالیٰ نے بھی اپنے کلام میں عموماً موت اور حیات کو جسمانی موت اور جسمانی حیات کے معنی میں استعمال کیا ہے لیکن بعض مواقع ایسے بھی آئے ہیں جہاں انسان کے اس جاہلانہ خیال کی تردید کرنا ضروری ہو گیا کہ زندگی حقیقت میں جسمانی زندگی ہے اور جسمانی موت حقیقی موت ہے جس میں حیات کا کوئی شائبہ نہیں جب حق کی خاطر جان دینے کا سوال پیش آتا ہے تو یہ جاہلانہ خیال انسان کی سہمت کو سبوتا کر دیتا ہے۔ وہ اس وقت اپنی جان قربان کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگر مارے گئے تو زندگی کے مزے چھوٹ جائیں گے اور جسم سے جان نکلے گی ہی ہم فنا ہو جائیں گے۔ ایسے موقع پر حق تعالیٰ اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ جس کو تم موت کہتے اور سمجھتے ہو وہ حقیقت میں موت نہیں ہے۔ ہماری راہ میں جان بچ کر تم مطلق عالم مات میں نہ چلے جاؤ گے بلکہ پھر بھی زندہ ہی رہو گے اور ہمارے رزق کے مزے اس حال میں بھی تم کو نصیب ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسِلُونَ ﴿۱۹﴾
اور تو ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں مارے جاتے ہیں مڑا نہ سمجھ وہ تو زندہ ہیں انکے رب کے پاس انہیں رزق دیا جاتا ہے اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں وہ تو زندہ ہیں مگر تم جانتے نہیں ہو۔ (۱۹:۲)

ان مواقع پر چونکہ پردہ پڑا رہنے سے ایک بڑی مصلحت فوت ہو رہی تھی، اسلئے حقیقت کو بے نقاب کر دیا گیا۔ مگر غور سے دیکھیے یہیں کہا کہ جو لوگ فی سبیل اللہ مارے جاتے ہیں، ان پر وہ موت طاری نہیں ہوتی جس کو عرف عام میں موت کہا جاتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ ان کی موت کو حقیقی موت نہ سمجھو اور نہ کہو۔ وہ مارے ضرور جاتے ہیں، ان کے جسم سے جان ضرور نکل جاتی ہے۔ وہ دنیا سے رخصت ضرور ہوتے ہیں۔ ان کو دفن بھی کیا جاتا ہے۔ ان کی عورتیں بیوہ اور ان کے بچے یتیم بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کے ترکے تقسیم بھی ہوتے ہیں۔ ان تمام

حیثیتوں سے وہ دنیا اور دنیا والوں کے لیے مرجاتے ہیں۔ مگر اس جسمانی موت کے بعد بھی ایک زندگی ہے جو ان کو حاصل رہتی ہے، اور اس کے بعد بھی اللہ کے رزق اور اس کی بخششوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے اگرچہ تم کو اس کا شعور نہیں ہے۔

مولانا الم جبر اچوری اس نکتہ کو نہ سمجھ سکے انہوں نے عرفی موت اور حقیقی موت میں فرق نہ کیا۔ انہوں نے اس مصلحت پر بھی غور نہ کیا کہ خاص شہدار کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس فرق کو کس لیے واضح کیا ہے۔ ان کی نظر ان آیات کے معانی تک بھی نہ پہنچ سکی جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق شہدار کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام مرنے والوں کے لیے عرفی موت کے بعد بھی ایک روحانی زندگی ہے جس میں احساس، شعور، سمع، گویائی وغیرہ قوتیں بدستور باقی رہتی ہیں۔ اس پہلی اور بنیادی غلطی نے ان کو پے در پے غلطیوں میں مبتلا کر دیا اور آخر تک ان کے قیاسات غلط ہوتے چلے گئے۔

برزخ میں روحوں کے مقابلاً جسمانی موت کے بعد روحانی زندگی کا ثبوت مل چکا۔ اب ہم کو آگے بڑھ کر یہ ہے کہ مرنے کے بعد انسانی نفوس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اور وہ کہاں رکھی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برزخ میں نفوس کے مقام کا انحصار ان کی دنیوی زندگی کے اعمال پر ہے۔ جو نفوس دنیا میں تقویٰ اور عمل صالح کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں وہ اتنے لطیف ہو جاتے ہیں کہ مقامات رفیعہ کی طرف پرواز کرنے لگتے ہیں جسم سے نکلنے ہی فرشتے ان کو کامیابی کی خوشخبری سناتے ہیں ان کا نام عالم بالا کے دفتر میں لکھا جاتا ہے، اور یوم الفصل کے انتظار کی مدت وہ ایسی بلند منزلوں میں گزرتے ہیں جہاں ان کو جنت کی خوشبوئیں آتی ہیں بلکہ حقیقت وہ جنت ہی کی جنت منانہل ہوتی ہیں۔

لَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ
يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
جن لوگوں کی جانبیں ملائکہ اس حال میں مقبض کرتے ہیں کہ وہ پاک تھے، ان سے وہ کہتے ہیں کہ تم پر سلامتی

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ - (۱۲: ۴)

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا
أَوْ مَاتُوا لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۚ

وَأَنَّ اللَّهَ لَهُمْ خَيْرُ الْبَارِقِينَ لِيُخْلِفَهُمْ
مِمَّنْ خَلَّاءُ يَرْضَوْنَهُ - (۲۲: ۸)

وَلَيْنَ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ
لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا
يَجْمَعُونَ - وَلَيْنَ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ
لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ - (۳: ۱۷)

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى
قَالَ يَوْمِئِذٍ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ... إِنِّي
أَمْسْتُ بِرَبِّكُمْ فَاِصْغَوْا قِيلَ ذُحُلِ
النَّجَّةِ - (۳۶: ۲)

إِنَّ كِتَابَكَ لَآزْرَافًا عَلَيْهِتَيْنِ وَمَا أَدْرَاكَ

حزب میں داخل ہو اپنے ان اعمال کے بدلے جو تم کرتے تھے۔
اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے
گئے یا مر گئے اللہ ان کو اچھا رزق عطا کرے گا اور
میں اللہ ہی بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ضرور ان کو
جگہ داخل کر لیا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔
اور تعین رکھو کہ اگر تم راہ خدا میں مارے گئے یا مر گئے
تو اللہ کی مغفرت اور رحمت اس مال و دولت سے بہتر ہے جو
لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے
تو اللہ ہی کی طرف لیجائے جاؤ گے۔
اور ایک شخص شہر کے پرے سرے سے دوڑتا ہوا آیا اور بولا
کہ لوگو! رسول کی پیروی کرو... میں تمہارے پروردگار
پر ایمان لایا ہوں۔ میری بات سنو! اس پر لوگوں نے
اسے قتل کر دیا! اس سے کہا گیا کہ حنبت میں داخل ہو جا
نیک لوگوں کا دفتر علیین میں ہے اور علیین کو تو کیا جانے

نہ اس آیت اور اوپر والی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام صالحین کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا ہے اور اس شہید
وغیر شہید کا کوئی فرق نہیں ہے۔ نیز مولانا اسلم جبر جوہری کے اس خیال کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ شہداء کے سوا تمام
روحیں برزخ میں اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھی جاتی ہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں اس شخص کے مارے جانے کا ذکر نہیں ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے قتل کر دیا گیا تھا
جو شخص روایات کو ظنی اور ناقابل اعتبار سمجھتا ہو اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس شخص کو حنبت میں داخل ہونے کا حکم رب کے فضل سے

مَا عَلَيُّونَ كِتَابٌ مَرْقُومٌ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۹۲﴾
 کہ کیا ہے۔ وہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی مقررین اس کی عزتی کرتے ہیں۔

مخلاف اس کے جو لوگ فتن و فجور میں جان دیتے ہیں ان کی رو میں گندی ہو جاتی ہیں ان کے لیے مقامات عالیہ کے دروازے نہیں کھلتے جسم سے نکلتے ہی ان پر سختیاں شروع ہو جاتی ہیں ان کو ذلت اور مصیبت کے قید خانوں میں رکھا جاتا ہے جہاں ان کو اپنے ہولناک انجام کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور وہ کٹافیتیں جو دنیوی زندگی کے بڑے اعمال سے انہوں نے سمیٹ لی تھیں ان کو بے چین و بے قرار رکھتی ہیں۔
 اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاَسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمٰوٰتِ (۵: ۷)
 جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان کے مقابلے میں تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے۔
 وَلَوْ تَرَى اِذِ يَتَوَقَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَدٰىئِمَ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهُهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْا عَذَابٍ اَلِيْقٍ (۷: ۸)
 اور کاش تو دیکھتا جب کہ ملائکہ ان لوگوں کی جائیں قبض کرتے ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے۔ وہ ان کو آگے اور پیچھے سے مار رہے ہیں کہ آگ کے عذاب مزا چکھو۔

اِنَّ كِتٰبَ الْفَجَارِ لَفِيْ سَجِيْنٍ وَّمَا اُذِّنْكَ مَا يَسْجُوْنَ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ (۸۳)
 بدکاروں کے نام (قیدیوں کے دفتر) سجن میں لکھے جاتے ہیں۔ اور تو کیا جانے کہ سجن کیا ہے۔ وہ ایک کتاب لکھی ہوئی

ان کے علاوہ متعدد آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسقین پر موت کے بعد ہی سختیاں شروع ہوتی ہیں

۱۔ مولانا احم جیرا چوری نے اس آیت اور اسی سلسلہ کی ایک دوسری آیت کا مفہوم نہیں سمجھا علیون کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ۱۔ یا تو اس سے مراد ہے عالیہ ہیں یا عالی مقام لوگ اسی طرح سجن کے مراد یا قید خانہ یا قیدیوں کا گروہ۔ صالحین و ابرار کے نام اس دفتر میں لکھے جاتے ہیں جو یہ مخصوص ہیں اور فاسقین و فجار کے نام سجن کے دفتر میں مندرج ہوتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفوس فنا ہو جاتی ہیں اور صرف رجسٹر نام رہ جاتے ہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی رو میں عسین و عسین میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہرے میں بچہ کا نام لکھا گیا تو اس کا مطلب نہیں ہوتا کہ بچہ غائب ہو گیا اور صرف اس کا نام رجسٹر میں رہ گیا۔

ہیں۔ مثلاً آل فرعون کے متعلق ارشاد ہے کہ۔

وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ لَأَنَّهُمْ
نَعَزَّضُوا عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَقَوْمٌ
تَقَومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ
أَشَدَّ الْعَذَابِ (۵: ۴۰)

اور آل فرعون کو بڑے عذاب گھیر لیا۔ وہ آگ کا غذا
ہے جس پر وہ سچ شام پیش کیے جاتے ہیں۔ اور قیامت
قائم ہوگی تو حکم دیا جائیگا کہ آل فرعون کو اس سے سخت تر
عذاب میں داخل کرو۔

اس آیت کے الفاظ اتنے واضح ہیں کہ مفہوم میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ
فرق ہوتے ہی آل فرعون کو بڑے عذاب گھیر لیا۔ اب وہ دنیا آگ پر پیش کیے جلتے ہیں اور تب قیامت
قائم ہوگی تو اس سے زیادہ سخت عذاب دیا جائیگا۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مولانا ائمہ حیرانچوری نے پہلے سے چند
قائم کر دیے ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیات کے غلط مفہوم پر مبنی ہیں اور اب بجائے اس کے کہ وہ ایسی صحت
اور صریح آیات کو دیکھ کر ان نظریات میں ترمیم کرتے، وہ گوشش کر رہے ہیں کہ ان کی تاویل کر کے ان غلط
نظریوں کے مطابق ڈھال لیں۔ یہی وہ ذہنیت ہے جو انسان کو قرآن کا صحیح مفہوم سمجھنے نہیں دیتی۔
اسی کے قریب المعنی وہ آیت جو مدینہ اور گرد و پیش کے منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

سَنُعَذِّبُكَ بِمَرَّتَيْنِ فَرَّجَ بَصُوتِ الْإِلٰهِ
عَذَابٍ عَظِيمٍ - (۱۳: ۹)

فقیر سیدم ان کو دو مرتبہ عذاب میں گے پھر وہ زیادہ بڑے
عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

یہاں بھی الفاظ صریح اور مفہوم واضح ہے۔ عذاب کے تین مرتبے قبلے ہیں۔ ایک دنیا کا عذاب
وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوے اور ان کی ساری تدبیریں ناکام کر دی گئیں۔ دوسرا برزخ کا
عذاب۔ اور تیسرا عذاب عظیم جو قیامت کے بعد ہوگا۔ لیکن یہاں پھر مولانا کے نظریات نے ان کو ایک صاف
بات سمجھنے سے روک دیا۔

چنانچہ غلط نظریات | مولانا کے نظریات ہیں مثلاً نظر یہ ہے کہ وہ برزخ کو مطلق عالم کلمات سمجھتے ہیں جس میں جیسا
© rasailojaraid.com

کوئی شائبہ نہیں اسی بنا پر وہ کہتے ہیں کہ برزخ میں نہ راحت ہے اور نہ اذیت لیکن اس کی تائید میں آجائے انہوں نے پیش کی ہیں وہ ان کے مدعا کی تائید نہیں کرتیں۔ بالفرض اگر قرآن مجید میں مشرکین و کفار کے معبودوں سے مراد انبیاء اولیاء و صلحاء اور دوسرے انسان ہیں جو وفات پا چکے ہیں تب بھی ان آیات سے جو مولانا نے پیش فرمائی ہیں صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ آدمیوں کی پکار نہیں سنتے ان کی دعاؤں سے غافل ہیں اور ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ مگر اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ بجائے خود بے حس و جان بے شعور بے علم اور بالکل غافل و بے خبر ہیں؟ اگر وہ اس عالم کی باتیں نہیں سنتے اور اس عالم کے لوگوں کو جواب نہیں دے سکتے تو اس سے نتیجہ کیوں کر نکالا جاسکتا ہے کہ جس عالم میں وہ ہیں وہاں بھی ان میں بولنے اور سننے اور محسوس کرنے کی قوت نہیں ہے؟ پہلے ایک مضمون کی آیات پر غور کیے بغیر ایک غلط نظر قائم کرنا، پھر اس نظریہ کی بنا پر دوسری صریح آیات کی تاویل کرنا، اور الفاظ کو ان کے صاف مفہوم سے پھیرنا وہ طریقہ نہیں ہے جس سے آدمی قرآن مجید کے علوم سے استفادہ کر سکتا ہو۔ قرآن مجید ایک جگہ کہتا ہے کہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے، اور مُردے تمہاری دعاؤں کا جواب نہیں دے سکتے۔ دوسری جگہ وہی قرآن کہتا ہے کہ فرشتے مُردوں سے باتیں کرتے ہیں اور مُردے ان کو جواب دیتے ہیں۔ کیا ان دونوں باتوں میں کوئی تناقض ہے؟ اگر نہیں تو آپ جس طرح پہلی بات کو مانتے ہیں اسی طرح دوسری کو بھی ماننے اگر ہے تو تناقض ثابت کیجیے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ”قرآن کی رو سے انسان کے لیے دو ہی موتیں اور دو ہی زندگیاں ہیں۔ دنیاوی زندگی کے بعد دوسری زندگی حشر کے دن ملے گی نہ کہ قبر میں۔ لہذا اس دنیاوی زندگی کے منقطع ہو جانے کے بعد اہل برزخ میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں۔ یہاں دراصل موت اور حیات کا مفہوم سمجھنے میں مولانا سے لغزش ہوئی ہے۔ جس انفصال جسم و روح پر لفظ موت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کے متعلق مولانا نے فرض کر لیا کہ اس میں مطلقاً زندگی کا کوئی شائبہ نہیں، اور زندگی محض اتصال

جسم و روح کا نام ہے لیکن اوپر قرآن مجید کی آیات سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔
 قیاسی نظریہ بھی ایسا ہی عجیب و غریب ہے۔ ایک آیت میں وارد ہوا ہے کہ مردے جب حشر کے
 دن اٹھائے جائیں گے تو کہیں گے کہ ”ہم نے ہم کو ہماری خوبگاہ سے اٹھا دیا۔“ بعض اور آیات میں
 ہے کہ دنیوی زندگی کا قیامت کے مہینے وہ زیادہ سے زیادہ ایک گھڑی کا فصل سمجھیں گے۔ اس سے مولانا نے نتیجہ
 اخذ کیا ہے کہ برزخ میں مردے بالکل غافل و بے خبر پڑے ہوئے ہیں اور ان کو زمانے کا مطلق احساس
 نہیں ہے۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے اور عذاب یا ثواب ان پر ہو رہا ہوتا تو اس طویل مدت کو بھول نہ
 جاتے لیکن قرآن میں یہ بھی نوٹ فرمایا گیا ہے کہ حشر کے دن لوگ اپنے قیام زمین کی مدت کا اندازہ
 ایک دن یا زیادہ سے زیادہ دس دن لگائیں گے۔ پھر کیا بالکل اسی طرح اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا
 کہ دنیا کی زندگی میں بھی انسان غفلت و بے خبری اور ”مطلق عالم مات“ میں پڑا رہا؟ سوال یہ ہے
 کہ اس قسم کی قیاس آرائیاں کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جو نتیجہ آپ نکال رہے ہیں وہ قرآن میں مذکور
 نہیں۔ قرآن میں صرف ایک واقعہ کے طور پر یہ بیان ہوا ہے کہ قیامت کے روز جب دوبارہ اجساد
 میں جان ڈالی جائے گی اور لوگ نشأۃ آخرت میں داخل ہوں گے تو ان کو ایسا اور ایسا محسوس ہوگا۔
 یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اس سے پہلے برزخ میں وہ بے ہوش ابے حس اور مطلق عالم مات میں ہو گئے۔ یہ
 واقعہ پر محض آپ کا اپنا قیاس ہے۔ اور اس قیاس کو آپ اپنی اہمیت دے رہے ہیں کہ قرآن کی ان
 صریح آیات کو جن میں اہل برزخ کی سماعت گویائی اور ان کی راحت یا تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے ان کے
 صاف مفہوم سے پھیر کر اس قیاس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیا قرآن کو قرآن سے
 سب سے سمجھنے کا یہی طریقہ ہے؟ اگر آپ کو قیاس ہی کو ناکھ تو آپ نے یہ قیاس کیوں نہ کیا کہ ایک عالم سے
 عالم میں پہنچنے کے بعد انسان پہلے عالم کو فراموش کر جاتا ہے یا اس کو پہلے عالم کا محض ایک مہموم
 سا خیال رہتا ہے، یا پہلے عالم میں اپنی حالت کے متعلق اس کا اندازہ غلط ہوتا ہے جیسا کہ کذابانہ

کَانُوا يُؤْتَوْنَ سے ظاہر ہوا ہے۔ جہاں تک یہ سمجھتا ہوں آپ کے قیاس کی نسبت یہ قیاس قرآن مجید کے ارشادات سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے۔

مولانا کا آخری نظریہ ان آیات پر مبنی ہے جن میں صرف دنیا اور آخرت کے عذاب و ثواب ذکر ہے، اور برزخ کا ذکر نہیں ہے، اور جن میں صرف دار آخرت کو دارالہجرا فرمایا گیا ہے۔ اس سے مولانا یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دنیوی زندگی کے بعد اور قیامت سے پہلے کوئی عذاب و ثواب نہیں ہے لیکن یہ نظریہ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) ان آیات میں کہیں برزخ کی روحانی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ ان میں دنیا و آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر اسی طرح ایک واقعہ کے طور پر کیا گیا ہے جس طرح بعض دوسری آیات برزخ کی زندگی اور اس کے عذاب و ثواب کا ذکر عبور واقعہ آیا ہے۔ پھر پہلی قسم کی آیات دوسری قسم کی آیات کے لئے ناقص کیونکر ہو سکتی ہیں؟

۲۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ دارالہجرا اور یوم الفصل دراصل دار آخرت ہی پر لیکن قرآن مجید کی متعدد آیات یہ ثابت کر چکی ہیں کہ برزخ میں انسان کو ایک طرح کی روحانی زندگی حاصل ہوگی جس میں شور و احساس پایا جائیگا ایسی صورت میں یہ ناگزیر ہے کہ فیصلہ کے دن تک انتظار کرنے کے لیے نفوس انسانی جہاں رکھے جائیں گے وہاں نفوس زکیہ کے لئے رشتہ اور نفوس ضعیفہ کے لئے اذیت ہو۔ اگرچہ ان کے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا ان کو فیصلے کے دن ہی ملے گی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انتظار کی مدت میں دونوں قسم کے نفوس ایک ہی حال میں رکھے جائیں۔

۳۔ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ شہداء کو مرنے کے بعد ہی ثواب ملنا شروع ہو جائے گا اب فرمائیے کہ ثواب یوم الفصل سے پہلے ہے یا اس کے بعد؟ اگر بعد ہو تو کیا شہداء کی قیامت عام لوگوں کی قیامت کے پہلے قائم ہو جائے گی اور اگر یہ ثواب یوم الفصل سے پہلے اور دنیوی زندگی ختم ہونے کے بعد ہو تو آپ کا نظریہ ٹوٹ گیا کیونکہ اس کے ثابت ہونے کا دن ہے کہ انتظار کی مدت میں نفوس کو رزق عطا ہوتا قرآن مجید کے اس ارشاد کے خلاف نہیں کہ اسی جزا و سزا کا دن قیامت